

حافظ محمد عرفان الحق اظہار حقانی
مدرس دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

مولانا سمیع الحق کے پچھلے دورہ ایران کی سرگزشت (قسط نمبر ۱۱)

نماز مغرب کی ادائیگی کے بعد بزرگ آزادی ہوٹل میں کل ہفتہ 8 مئی 2004 کے پروگرام کے بارے میں مشاورت ہوئی۔ باہمی مشاورت سے تم جانا طے ہوا۔ مجمع الترقیب کے نائب سیکرٹری جلال الدین میرا قاتی نے پروگرام شیڈول سے آگاہی دلاتے ہوئے کہا کہ کل صبح انشاء اللہ 8 بجے یہاں سے روانہ ہوں گے۔ رات بخیر وعافیت گزارنے کے بعد حسب پروگرام ہمارا قافلہ تم کی طرف روانہ ہوا۔ تم کی حیثیت اہل تشیع کے ہاں وہی ہے جو اہل سنت کے ہاں جلعہ الا زہر دیوبند اور انگریزوں کے ہاں آکسفورڈ یا ان جیسے دیگر بڑے تعلیمی مراکز والے شہروں کی ہے۔ تم کے بارے میں مولانا تقی عثمانی نے لکھا ہے کہ کمندان سے مختصر اور معرب ہے۔ اسی شہر میں ایران کے اہل تشیع کی دوسری بڑی زیارت گاہ سیدہ معصومہؑ بھی واقع ہے۔

آئیے تم داخل ہونے سے قبل اس کی تاریخ پر ایک سرسری نظر ڈالتے ہیں۔

تم پر ایک نظر: تم شمالی ایران کا مشہور شہر ہے۔ جو ۵۰ درجہ ۵۳ دقیقہ طول بلد اور ۳۴ درجہ ۳۸ دقیقہ عرض بلد پر سطح سمندر سے ۹۳۰ گز کی اونچائی پر واقع ہے۔ یہ تہران کے جنوب میں ۱۴۷ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ مواصلاتی اعتبار سے بھی تم ایران کا اہم شہر جانا جاتا ہے۔ تہران سے اصفہان، شیراز، کرمان، اہواز، یزد، زہدان وغیرہ جیسے اہم شہروں سمیت خلیج فارس اور بحیرہ عمان کی اہم بندرگاہوں اور تیل کے ذخائر تک جانے والی سڑکیں اور ایرائین ریلوے لائن تم سے ہو کر گزرتی ہے۔ تم کے قالین دنیا بھر میں عمدہ اور نفیس شمار ہوتے ہیں۔ تم زمانہ قبل از اسلام سے آباد ہے۔ ۱ سے ۲۳ھ بمطابق ۶۴۴ء میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں فتح کیا تھا۔ دوسری صدی ہجری تک یہ اصفہان کے ماتحت رہا۔ ہارون الرشیدؒ نے اسے مستقل حیثیت سے نوازا۔ خلیفہ المامونؒ کے عہد میں تم نے بغاوت کی اور یحییٰ بن عمران کی زیر قیادت حاصل ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ خلیفہ نے علی بن ہشام المروزی کو روانہ کیا جس نے تم کی فسیل منہدم کر کے ستر لاکھ درہم تاوان جنگ عائد کر دیا۔ المعتز کے دور خلافت میں یہ عہد نامہ توڑ دیا گیا۔ تو اس پر خلیفہ وقت نے عراق عجم کے عامل موسیٰ بن بوغاء کو فوج کے ہمراہ بھیجا جس نے اصلاح احوال کی۔ ساتویں صدی میں جب مغلوں نے حملہ کیا تو انہوں نے اس شہر کو بھی تاراج کیا۔ نویں صدی ہجری میں یہ دوبارہ آباد ہوا۔ صفوی دور میں تم کو خاص اہمیت حاصل ہوئی۔ اس کی آبادی پچاس لاکھ تک پہنچ گئی۔ یہاں پانچ صفوی بادشاہان بھی مدفون ہیں۔ جن کے نام یہ ہیں: (۱) شاہ صفی (۲) شاہ عباس دوم (۳) شاہ سلیمان

(۴) شاہ سلطان حسین (۵) شاہ طہماسپ دوم لغتِ وہ خدا (فارسی زبان میں ایرانی انسائیکلو پیڈیا کی کتاب) کے مطابق افغانوں نے بھی ایک دور میں اسے ویران کیا۔ اور پھر فتح علی شاہ نے اسے دوبارہ آباد کیا۔ حضرت مصومہؑ کا گنبد بھی اسی نے بنوایا اور موصوف نے اپنے لئے بھی یہیں قبر بنوائی اور وہ دو بیٹوں سمیت یہاں مدفون ہے۔ یہاں کے باشندے ہمیشہ سے کُڑ شیعہ رہے ہیں۔ قم کی اصل وجہ شہرت اس وقت دینی اور ثقافتی پہلو سے ہے؛ دینی لحاظ سے قم دنیا کے اہل تشیع کا سب سے بڑا مرکز ہے۔ شیعوں کے ساتویں امام موسیٰ کاظمؑ کی بیٹی اور آٹھویں امام علی رضاؑ کی بہن سیدہ فاطمہ کا مزار بھی اسی شہر میں واقع ہے۔ شہر کی آبادی وترقی کا بنیادی سبب بھی مزار ہیں۔ ۲۰۱۰ھ میں موصوفہ حضرت امام رضا سے ملاقات کیلئے مدینہ منورہ سے یہاں آئیں، جب قم کے قریب سادہ پہنچی تو بیمار پڑ گئیں۔ ایک دو ہفتے قم میں ٹھہرے رہنے کے بعد بیماری کے عالم میں انتقال فرما گئیں اور یہیں مدفون ہوئیں۔ ایران کے اسلامی انقلاب کی پہلی چمکاری قم سے ہی بھڑک اٹھی تھی۔ بانی انقلاب امام خمینی نے اپنے انقلابی افکار کا پرچار اور شاہ کے خلاف للکار کا آغاز اسی مقام سے کیا۔ یہی وجہ ہے کہ انقلاب کے بعد اس شہر کو خاص اہمیت اور مقام سے نوازا گیا۔ یہاں سینکڑوں اعلیٰ سطح کے مدارس شیعہ اصولوں کے مطابق تعلیم دینے میں مصروف عمل ہیں۔

لطیفہ قاضی قم: مولانا سمیع الحق اور مولانا حسن جان نے دورانِ سفر قاضی قم کے معزولی سے متعلق مشہور لطیفہ بھی سنایا جو کچھ یوں ہے کہ حکمرانِ وقت نے یہاں کے قاضی سے خطاب کرتے ہوئے کہا ”ایھا القاضی بقم قد عزلناک فقم۔“ جس کا معنی ہے ”اے قم کے قاضی ہم نے تمہیں معزول کر دیا لہذا اپنی مسند قضا سے اٹھ کھڑے ہو۔“ بعد میں قاضی موصوف اپنی وجہ معزولی سے متعلق کہتے۔ انما معزول المسجع من غیر جرم ولا سبب۔ ”میں بغیر کسی جرم اور سبب کے صرف قافیہ بندی کے شوق سے معزول کیا گیا۔“

ڈیڑھ گھنٹہ کے سفر کے بعد ہم قم شہر میں داخل ہوئے۔ قم ایک صاف ستھرا، سادہ اور خوبصورت شہر ہے۔ یہاں کی عمارات ایک منظم انداز سے بنائی گئی ہیں۔

آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی سے ملاقات اور باہمی گفتگو: مرتب شدہ پروگرام کے مطابق ہمیں سب سے پہلے شیعوں کے مرجعِ دین کی حیثیت سے متعارف ایک علمی اور دینی شخصیت آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی سے ملاقات کیلئے لے جایا گیا۔ موصوف مدرسہ علمیہ حسینہ کے مدیر اور ۱۴۰ کتابوں کے مصنف و مؤلف ہیں۔ مدرسہ کے مین دروازے پر سن تاسیس شمسی تاریخ کے مطابق ۱۳۶۸ھ لکھا تھا۔ ہماری ملاقات ان سے مدرسہ میں واقع ان کے دفتر میں ہوئی۔ انہوں نے تمام مہمانوں کا والدانہ انداز سے استقبال کیا۔ ان سے جو بات چیت ہوئی اسکی مختصری جھلک نذر قارئین ہے:

قم کی تعلیمی مرجعیت: قم کے بارے میں شیرازی صاحب نے بتایا کہ یہاں چالیس ہزار طلباء زیر تعلیم ہیں جن میں تیس ہزار مقامی اور دس ہزار غیر ملکی۔ ۹ مختلف مذاہب کے تلامذہ رہتے ہیں۔ قم میں ۱۱ مراکز کی تعداد 200 ہے۔ جن میں مختلف فیکلٹیز حدیث، تبلیغ، فقہ اور علم کلام کے نام سے قائم ہیں۔ ان مراکز سے مختلف رسائل و جرائد اور

اخبارات کی یومیہ ہفت روزہ ماہانہ اور سہ ماہی اشاعتیں بھی ہوتی ہیں۔ یہ علمی سلسلہ ائمہ اہل بیت کے زمانے سے یہاں جاری ہے۔ انہوں نے ہمیں قم کا تعارف تعلیمی، تاریخی اور تبلیغی حیثیت سے کیا۔ مولانا سمیع الحق نے فرمایا کہ ہم بچپن سے قم کے تذکرے اور علمی حیثیت سے متعلق سنتے اور پڑھتے آئے۔ آج اسے عین یقین سے دیکھا۔ شیرازی صاحب نے سوال کیا کہ پاکستان میں دینی تعلیم کی کیفیت کیا ہے؟ اس پر مولانا سمیع الحق نے فرمایا کہ صرف اہل سنت کے دیوبندی مکتب فکر کے دس ہزار مدارس وہاں مصروف عمل ہیں۔ ان میں ایک بڑی تعداد عورتوں کے مدارس کی بھی ہے۔ ایران میں عورتوں کی تعلیم کے بارے میں شیرازی صاحب نے کہا کہ جمعیت الزہری تنظیم کے تحت یہاں ہزاروں عورتیں ابتداء سے خنثی درجات تک پڑھتی ہیں۔ شیرازی صاحب نے دینی مدارس کو حکومتی تحویل میں لینے کے بارے میں سوال کیا تو احقر نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے جواب دیا کہ حکومت امریکی ایماء پر ان مدارس کو اپنے کنٹرول میں لینا چاہتی ہے۔ امریکہ نے اس سلسلہ میں حکومت کو 600 ملین ڈالر سے نوازا ہے۔ تاکہ اس خطرہ قم کو ان مدارس پر تقسیم کر کے انہیں خرید جاسکے۔ لیکن الحمد للہ تاحال وہ امریکی روپیہ حکومت کے پاس پڑا ہے۔ ہر مدرسہ نے اس حکومتی اور امریکی امداد کو ٹھکرایا۔ مولانا سمیع الحق نے میری بات کو بڑھاتے ہوئے کہا کہ یہ نہایت ہی خطرناک صورتحال ہے۔ ہماری حکومتوں کی اولین ترجیح یہ ہے کہ ہمارا نصاب تبدیل کیا جائے اور ایسا عصری نصاب دیا جائے جو دینی حمیت و غیرت سے عاری ہو۔ مولانا فضل الرحمن نے کہا کہ ان ہی مقاصد کی بنیاد پر صری تعلیمی مراکز اسکولز و کالجوں میں جہاد سے متعلق آیات نصاب سے حذف کر دی گئیں۔ شیرازی صاحب نے کہا کہ امریکہ نے مسلمانوں کو تقسیم در تقسیم کا شکار کر کے کمزور بنا دیا ہے اور اب ان کو ختم کرنے پر ٹٹا ہوا ہے۔

دارالحرب اور دارالاسلام کی تعبیر: دارالحرب اور دارالاسلام کی بات آئی تو مولانا سمیع الحق نے فرمایا کہ میرے پاس امریکہ، یورپ اور دیگر مغربی ممالک کے پریس اور میڈیا کے نمائندے اکثر انٹرویوز کرنے آتے ہیں۔ انہوں نے دارالحرب کے بارے میں سوال کیا تو میں فقہاء کے تصریحات میں پڑھ کر ان کی ذہنی الجھنوں کو بڑھانے سے گریز کرنا چاہتا تھا، مگر ان کے طرزِ بحث و اعزاز کو سمجھ جاتا ہوں تو میرے ذہن و دماغ میں اس کی ایک نئی تعبیر آئی جسے میں نے ان کے سامنے بیان بھی کیا کہ دارالحرب اس کو کہتے ہیں جس کے رہنے والے ہر وقت جنگ کے بارے میں سوچتے ہیں۔ اسلئے ان علاقوں کو دارالحرب کہا گیا۔ جبکہ دارالاسلام والے ہر وقت سلامتی اور امن کے بارے میں سوچتے ہیں اسی لئے اس کے رہنے والے کو مسلمان اور اس علاقہ کو دارالاسلام کہا جاتا ہے۔ اس پر علامہ شیرازی صاحب نے کہا کہ آپ کی یہ تعبیر بھی الہامی ہے۔ جس سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو نوازا۔ اس نے بتایا کہ آپ اہل سنت ایران آئیں اور ہمارے اہل تشیع پاکستان جائیں تو اس طرح باہمی اخوت و محبت پروان چڑھے گی۔ مولانا سمیع الحق نے فرمایا کہ جر طرح عالم کفر کا ظہور انفکاح و احدۃ کی صورت میں آج سامنے ہے تاریخ میں شاید ہی کبھی ایسا ہوا ہو۔ شرق و غرب کی تمام کفری طاقتیں سب ایک صف میں ہیں کہ مسلمانوں کو ہلاک و برباد کر دیں، ہمیں باہمی اختلافات کو پھر

پشت ڈال کر یکجا صورت میں مقابلہ کرنے کی تیاری کرنی ہوگی۔ ورنہ تو ہمارا نام و نشان تک نہ رہے گا۔ شیرازی صاحب نے کہا کہ یورپ کے چند ممالک یورپی یونین کے تحت ایک ہو سکتے ہیں جبکہ ہم ایک خدا اور ایک رسول کے ماننے والے کیوں نہیں ایک ہو سکتے۔ مولانا فضل الرحمن نے کہا کہ اگر ہم سوچ و فکر سے کام لیں تو ہمارے لئے یہی بات ہی اتحاد کا ذریعہ ثابت ہو سکتی ہے کہ کفر تمام اختلافات بھلا کر ایک ہو چکا ہے اور ہم ابھی تک دست و گریباں ہیں۔

ایران میں اسلام کی آمد: مولانا حسن جان نے شیرازی صاحب سے سوال کیا کہ ایران میں اسلام کب آیا ہے؟ تو اس پر انہوں نے جواب دیا کہ یہاں ائمہ اہل بیت آئے تھے۔ علی ابن جعفر حسن عسکریؑ سیدہ معصومہؑ ہشیرہ امام رضاؑ اور خود امام علی رضاؑ کی زیارات یہیں ہیں۔ بقول مولانا حسن جان میں شیرازی صاحب سے یہ کہلواتا چاہتا تھا کہ ایران دو فاروقی میں فتح ہوا۔ لہذا یہاں کا اسلام حضرت عمر فاروقؓ کے مرہون منت ہے۔ یہاں ہماری تواضع مشروبات اور چائے وغیرہ سے کی گئی۔ اس ملاقات کے اختتام پر شیرازی صاحب نے ہمارے وفد کے جملہ اراکین کو اپنی بعض مطبوعات جن میں ان کی ضخیم تفسیر الاش (۲۰ جلدوں میں) بھی شامل تھی، سے نوازا۔ اس کے بعد ہم نے ان سے رخصت لی۔ یہاں سے ہم آیہ اللہ سیستانی کے قائم کردہ مدرسہ کی طرف گئے۔

محتمع مسکونی آیہ اللہ العظمیٰ السیستانی: جہاں ہمارا استقبال حجۃ الاسلام آغا سید جواد شہرستانی نے کیا جو آیہ اللہ سیستانی کے داماد اور اس مدرسہ کے موجودہ سربراہ ہیں۔ وہ ہمیں سب سے پہلے طلباء کی رہائشی گھروں کی طرف لے کر گئے۔ دیکھنے پر اندازہ ہوا کہ یہ نو تعمیر شدہ ہیں۔ انہوں نے ہمیں بتایا کہ یہاں متاعِ حلین طلباء (شادی شدہ) کو دو بیڈروم، ڈرائنگ روم، ہاتھ روم، ٹائلٹ اور کچن پر مشتمل مکانات سکونت کیلئے دیئے جاتے ہیں۔ ایک مکان ہمیں نمونہ کے طور پر دکھایا گیا۔ دیکھنے پر معلوم ہوا کہ اس مکان میں صرف کینوں کی کمی ہے باقی روزمرہ کی جملہ سہولیات موجود ہیں۔ اسی طرح کے 340 مکانات دو اہل خیر حضرات نے طلباء کیلئے بنائے ہیں۔ جن میں ناوار فقراء طلباء کو وظائف سے بھی نوازا جاتا ہے۔ میں نے پلٹے پلٹے پوچھا کہ آپ کے مدارس کے آمدن کے ذرائع کیا ہیں؟ تو مجھے بتایا گیا کہ لوگ خُش دیتے ہیں۔ خُش نقدی میں اور 19 دیگر اشیاء مالی میں زکوٰۃ دی جاتی ہے۔ طلباء کے مفت علاج کیلئے یہاں ایک ہسپتال کا بندوبست بھی کیا گیا ہے۔ آنکھوں کا ہسپتال علیحدہ قائم ہے جس میں ایک لیزر مشین چار لاکھ ڈالر کی مالیت سے خریدی گئی ہے۔

مکتبہ رئیس حوزہ علمہ آیہ اللہ سیستانی: مدرسہ کے معائنہ کے بعد ہمیں مدرسہ کے مرکزی دفتر میں بات چیت اور باہمی گفتگو کے لئے بٹھایا گیا۔ یہاں ہماری ملاقات شیخ مصطفیٰ الہرئی سے ہوئی۔ موصوف کثیر التالیف مصنف و مؤلف ہیں۔ آیہ اللہ سیستانی کے بارے میں انہوں نے بتایا کہ وہ سیستان میں پیدا ہوئے، قم میں پڑھے اور اس وقت گزشتہ پچاس برس سے نجف اشرف عراق میں مقیم ہے۔ ہر نفی صاحب نے بتایا کہ جہاد کا موقف پورے عالم اسلام کی طرف سے ایک ہی ہے۔ جہاد کا ایک اور نتیجہ خیر ثابت ہوگا۔

یہاں ہماری تواضع مشروبات اور کھجوروں سے کی گئی۔ میں نے پوچھا کہ یہ کھجور ایرانی ہیں یا عراقی؟ تو شہرستانی صاحب نے بتایا کہ عراق میں کھجور کی پیداوار بہت زیادہ تھی لیکن صدام حسین نے جنگ کی وجہ سے کھجور کے درختوں کو کٹوا دیا۔ مولانا سمیع الحق نے آیۃ اللہ سیستانی کے بارے میں پوچھا کہ وہ ایران کیوں نہیں آتے؟ تو بتایا گیا کہ وہاں کے کثرت مشاغل ان کے یہاں آنے سے مانع ہیں۔ یہ نشست تقریباً دو گھنٹے سے زیادہ رہی۔ یہیں ہم نے دو پہر کا کھانا بھی کھایا اور پھر ان سے رخصت لی۔

مرکز تحقیقی مجمع التقرب قم میں مجمع التفریب کا ایک تحقیقی مرکز قائم ہے۔ جس میں ایک بڑی لائبریری بھی ہے۔ وہاں جانے کا بھی اتفاق ہوا۔ اس کتب خانے میں ہزاروں کتابوں کا ذخیرہ محفوظ ہے۔ بعض کتابوں جیسے آیات الاحکام المقارنۃ ان تجمع آیات الاحکامیہ من المنیہ والشیعیہ۔ القواعد الفقہیہ المقارنہ۔ التفسیر الاثری یعنی تفسیر المنقول۔ علاقتہ الاسلام والغرب و تاریخھا۔ اشتراکات الحدیث وغیرہم کی سرسری ورق گردانی بھی احقر نے کی۔ یہ عجیب بات بھی علم میں آئی کہ اہل تشیع احادیث میں صرف امام تک سند بیان کرنے کے قائل ہیں اور اس سے آگے سند بیان کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ میں نے یہاں بعض علماء سے سوال کیا کہ حدیث کی صحت اور ضعف و سقم کا مدار تو سند پر ہوتا ہے اگر آپ سند بیان نہ کریں تو اس کا امتیاز کس طرح سے ممکن ہوگا۔ جس کا خاطر خواہ جواب وہ نہ دے پائے۔ ان کا جواب یہی تھا کہ امام کا مرتبہ اور مقام عالی ہے۔ اسلئے جب وہ احادیث بیان کرے تو پھر اس کی تحقیق و تتبع مت کرو۔ اس مرکز کے فو قانی منزل کے ایک کمرے میں ہمیں کچھ دیر قیلولہ کرنے کا موقع بھی ملا۔ یہاں سے فراغت پر منتظمین نے ہمیں دو کتابیں تحریر المجملہ کتاب شناسی تفصیلی مذاہب اسلامی بھی دیں۔

حوزہ علمیہ قم کے مرکز تبلیغات میں: اس کے بعد قم کے تبلیغات کے مرکز میں جانا ہوا یہاں ہماری ملاقات جتہ الاسلام پاریٹان معاون و مشیر تعلیم رئیس دانش گاہ قم جتہ الاسلام دکتور صالحی۔ جتہ الاسلام سکندری معاون تبلیغ قم اور جتہ الاسلام ہاشمی مدیر تبلیغات قم سے ہوئیں۔ ہمیں بات چیت اور باہمی گفتگو کیلئے اس مرکز کے کانفرنس روم میں لے جایا گیا۔ یہاں گفتگو کا آغاز آغا ربانی نمائندہ رہبر بلوچستان و عضو ہیئہ علمی و رئیس دفتر تبلیغات نے کیں۔ انہوں نے بتایا گیا کہ ان مدارس میں فقہ اصول فقہ علم کلام فلسفہ اور تفسیر جیسے دینی علوم کے علاوہ عصری علوم جیسے اقتصادیات وغیرہ بھی پڑھائے جاتے ہیں۔ حوزہ علمیہ کے بارے میں بتایا گیا کہ اس میں بہت سارے مدارس شامل ہیں۔ گویا اس کی حیثیت ایک وفاق کی طرح ہے جس میں مدرسہ فیضیہ زیادہ شہرت یافتہ ہے۔ جب ان سے ان مدارس کے ذرائع آمدن و مصارف کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے بتایا کہ شیعہ فقہ کے مطابق لوگوں سے خمس لیا جاتا ہے اس کے علاوہ اوقاف کی آمدنیاں بھی ان مدارس پر خرچ کی جاتی ہیں۔ نہ صرف اہل تشیع بلکہ اہل سنت کی مدد و تعاون بھی اس سے کروائی جاتی ہے۔ تاکہ باہمی تعلق اور محبت پیدا ہو۔ یہاں طلباء کا باقاعدہ بیمہ بھی کروایا جاتا ہے۔ کوئی طالب علم بیمار

پڑ جائے تو اس کا علاج معالجہ وغیرہ بھی یہی ادارے کرواتے ہیں۔ حاجی آغا ربانی نے کہا کہ ہمارا بابہی تعارف تالف میں بدلنا چاہیے۔

ملی بھگتی کونسل کا ذکر: مولانا سراج الحق نے اس سلسلہ میں پاکستان میں بڑی کوششوں سے قائم کئے گئے ملی بھگتی کونسل اور اس کے مثبت نتائج سامنے آنے کا ذکر کیا اور متفقہ طور پر طے کئے ۱۷ نکات پر مشتمل ضابطہ اخلاق کی تفصیل بیان کی جس پر شیعہ سنی تمام مکاتب فکر کے اکابر نے دستخط کئے اور اسلام کے تمام مقدس شخصیات صحابہ اکرام اہل بیت اور ازواج مطہرات سمیت سب کی بے ادبی سے اجتناب کا عہد کیا گیا، مولانا نے اس مجلس سے بھی اس منہج پر کام کرنے کا مشورہ دیا اور فرمایا کہ اس سلسلے میں ہم آپ کے تعاون کے بھی طلبگار ہیں۔ قرآن نے اعتصام و اخوت کا درس دیا ہے۔ آغا ربانی نے اس کے جواب میں کہا کہ یہاں تو مسلسل یہی دعوت دی جاتی ہے۔ ایران میں مختلف مسالک کے لوگوں کو ان کے اپنے مسلک کے مطابق فیصلہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہے جیسے کہ کردستان کے علاقہ میں شوافع کے مذہب و مسلک کے مطابق قضا اور احناف کے علاقوں میں احناف کے مطابق فیصلے دیئے جاتے ہیں۔ ان علاقوں میں لوگوں کو اساتذہ اور کتابیں بھی حکومت کی طرف سے مفت فراہم کی جاتی ہیں۔ وہاں کی تعمیر کی بھی اجازت ہے۔ زاہدان میں مولانا عبدالمہمید صاحب کے ہاں اتنی بڑی مسجد بنائی گئی ہے جتنی بڑی کہ مسجد نبویؐ (مبالغہ) ہے۔ اس حد تک محبت و اخوت کی فضا ہے کہ شیعوں کے اکثریتی علاقوں سے بعض مقامات پر اہل سنت کے افراد پارلیمنٹ کے ممبر منتخب ہو کر آئے اور اسی طرح بعض اہل سنت کے اکثریتی علاقوں سے شیعہ ممبر منتخب ہو کر آئے۔ جہاں کوئی کسی شخص یا اس کے مسلک کی توہین کرتا ہے اسے پابند سلاسل کیا جاتا ہے۔

مولانا حسن جان نے گفتگو کے دوران سوال کیا کہ یہ بتائیے کہ آیۃ اللہ العظمیٰ حجتہ اللہ اور حجتہ الاسلام والمسلمین یہ کوئی منصب و مرتبہ ہے یا کوئی سند و ڈگری ہے یا علمی مدارج کے نام ہیں جن سے آپ اپنے علماء کو نوازتے ہیں؟ ان کا جواب تھا ائمہ کے زمانے سے یہ سلسلہ رائج ہے کہ مختلف شعبوں میں نمایاں مقام حاصل کرنے والے علماء کو ان القابات سے پکارا جاتا ہے۔

صحابہ سے محبت احسان شناسی کا تقاضا: مولانا حسن جان نے دوران گفتگو ان کی بعض کتابوں کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ ان کتابوں میں آپ کے اکابر نے صحابہ کرام پر جرح و تنقید اور حتیٰ کہ سب و شتم تک کیا ہے۔ صحابہ سے محبت و عقیدت ایمان اور احسان شناسی کا تقاضا ہے۔ اگر اہل سنت کی طرف سے کسی بھی کتاب یا مقام پر آپ کی دل آزاری ہوئی ہو تو آپ ہمیں اہل سنت کی کوتاہیوں سے آگاہ کیجئے تاکہ ہم نہ صرف اس کا محاسبہ اور تذکر کر سکیں بلکہ ان کو باقاعدہ سزا بھی دینے کے لئے تیار ہیں۔ اہل سنت تو اہل بیت کی محبت جزو ایمان سمجھتے ہیں۔

اتحاد کیلئے بعض چیزوں سے دستبرداری: میں نے عرض کیا کہ اگر ہم مختلف مسلک کے لوگوں کو قریب کرنے کیلئے اخلاص سے کوشش کرنا چاہتے ہیں تو اس کیلئے ٹھوس اور فطری بنیادوں پر یہ عمل ہونا چاہیے۔ حضرات صحابہ کے محاسن و

کمالات کا اعتراف اور ان سے عقیدت و محبت از حد ضروری ہے۔ وہ معیار ایمان ہے، تقریب بین المذاہب کے لئے ہمیں کچھ چیزوں سے دستبردار ہونا اور کچھ میں کسر و انکسار سے کام لینا پڑے گا۔

افتراق و تشمت کا سبب بننے والی چیزوں سے احتراز : یہ بحث و تحقیق کافی دیر تک چلتی رہی اس بحث کو سلجھانے کے لئے مولانا مسیح الحق نے فرمایا کہ ہمیں آئندہ ایسی چیزوں سے اجتناب کرنا ہوگا جو دل آزاری اور افتراق و تشمت کا سبب ٹھہرے۔ یا اس سے صحابہ کرام کی شخصیات متاثر ہوئے۔ اگر ہم گزرے لوگوں (جنہوں نے ایسا کیا ہو) کے بارے میں فیصلہ نہیں کر سکتے ہیں تو کم از کم موجودہ لوگوں کو اتحاد و وحدت کی خاطر یہ امور چھوڑنے ہوں گے۔ فرمایا کہ

تلك امة قد خلت لها ما كسبت ولكم ما كسبتم ولا تمثّلون عما كانوا يعملون۔

برادرانہ لب و لہجہ اختیار کرنا : مولانا فضل الرحمن نے بھی بحث سینٹے ہوئے کہا کہ ہمیں آئندہ تحریر و تقریر ہر دو میں برادرانہ لب و لہجہ اختیار کرنا چاہیے تاکہ وحدت و اتحاد کی امید ورجا پیدا ہو سکے۔ اس طرح سے یہ بحث اختتام پذیر ہوئی۔ یہاں ہماری تواضع تازہ میوہ جات سے کی گئی۔ رخصت ہوتے ہوئے ہمیں فقہ امام جعفر صادقؑ نامی کتاب جو کہ تین جلدوں پر مشتمل تھی ہدیہ میں دی گئی۔

ایرانی انقلاب کے امام خمینی کے مزار پر : یہاں سے رخصت لینے کے بعد مغرب سے پون گھنٹہ قبل ہم واپس تہران کی طرف روانہ ہوئے۔ چلتے وقت طے ہوا کہ راستہ میں ایرانی انقلاب کے رہبر امام خمینی کے مزار پر بھی رکیں گے۔ اذان مغرب کے قریب ہم امام خمینی کے مزار پر پہنچے۔ یہ مزار کیا تھا ایک بہت بڑا کپلیکس تھا۔ جو فی الحال زیر تعمیر تھا۔ مزار کے چاروں کونوں پر چار بلند و بالا سنہری مینار اور بیچ میں طلائی کنگنبد دور سے نظر آتا ہے۔ اس کے آس پاس کا احاطہ وسیع و عریض سبزے، خوبصورت پھولوں سے لدے ہوئے باغات اور سدا بہار درختوں سے پُر نظر آ رہا تھا۔ لوگوں کی ایک بڑی تعداد تفریح کے لئے بھی جا بجا بچوں کے ساتھ بیچوں اور سبزہ زار میں براجمان نظر آئی۔ مزار کے اندرونی احاطہ میں وہ رش اور ہجوم دیکھنے میں نظر نہ آیا جس کا غالب گمان احقر نے ایران کی دیگر زیارت گاہوں کو زائرین سے معمور اور آباد دیکھتے ہوئے اپنے ذہن میں بنایا تھا۔ خمینی صاحب کے ضریح کے ارد گرد ایلیو موئم کا جال بنایا گیا ہے جس کے ارد گرد قرآنی آیات کی خوبصورت خطاطی کی گئی ہے۔ اس ضریح کے ارد گرد لاکھوں روپیہ مختلف کرنسیوں کی شکل میں نظر آیا۔ امام خمینی کے پہلو میں ان کے بیٹے احمد خمینی بھی مدفون ہیں۔ طواف و آہ بکاں کی صدائیں یہاں بھی دیگر مزارات کی طرح سننے میں آئیں۔

مزار کے احاطہ کے باہر ہم نے وضو بنانے کے بعد نماز مغرب باجماعت ادا کی۔ اور اس کے بعد واپس تہران کی طرف روانہ ہوئے۔ رات گئے تہران پہنچے۔